ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

لندن کی ایک رات: نو آبادیاتی تناظر

ONE NIGHT IN LONDON COLONIAL PERSPECTIEVS

☆ڈاکٹر رخسانہ بلوچ

☆☆ڈاکٹر سمیرا شفیع

☆☆☆ڈاکٹر زینت افشاں

Abstract:

When a nation dominate the other, major changes and upsets occurs in culture, society, values and behaviours of the dominated nation. The commonalty feel no hesitation to adopt these changes and make themselves proud but the intellectuals and will wishers of the nation dominated remain uneasy and restless for the loss occur to their nation. In result of such circumstances two different classes of people come into existence in one country, which causes an unending uncertainty, hate, revenge and extremism. India, especially the Muslim community of India in the colonial ages faced such circumstances. Sajjad Zaheer is a well-known novelist of Urdu and his novel "London Ki Aik Raat" is a master piece on of Urdu literature which proved him an intellectual and his novel is a reflection of his feelings about colonialism and its long lasting impacts on Indian society. This paper is a brief account of what the writer want to provide his readers with in view of colonialism.

Keywords: Colonialism, dominated, Muslim Cimmunity, Literature, Culture.

ہندوستان کی موجود صو تحال، جہالت، مفلوک الحالی اور غلامی نے جہاں معاشرے کے لوگوں کو متاثر کیا وہیں ادیبوں کے تخلیقی ذہنوں کو ایک نئی سمت دکھائی اور ظلم و جبر کے خلاف احتجاج کے ساتھ ساتھ روایت سے بغاوت بھی ادب میں شامل ہوئی۔ سجاد ظہیر نے فرسودہ روایات کے بداثرات کے علاوہ استحصال، بے رحم سماجی قوانین اور معاشرتی جکڑ بندیوں کے خلاف پیدا ہونے والی بیزارگی کو محسوس کر لیا تھا اسی لیے انھوں نے نہ صرف خود کو بلکہ اپنے ہم خیال ادیبوں کو بھی ان مسائل سے چھٹکارا پانے کے لیے کھڑا کر دیا اور اسی ضمن میں 1935ء میں ناکنگ ریسٹورنٹ، لندن میں ایک انجمن بنانے کا فیصلہ کیا اس منصوبے کی تکمیل کے لیے سجاد ظہیر کے علاوہ ڈاکٹر جیوتی گھوش، ڈاکٹر کے۔ ایس۔ بٹ، ڈاکٹر ملک راج آنند اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر بھی پیش پیش تھے۔ اس انجمن کی تشکیل ہی ترقی پسند تحریک کا موجب بنی۔ سجاد ظہیر انقلاب لانا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے ادب کو بامقصد بنایا تاکہ وہ انقلاب لانے میں مددگار و معاون ثابت ہو۔ سجاد ظہیر رقمطراز ہیں:

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

** اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

*** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

"ہم اپنے وطن میں ایسی تہذیب اور ایسے ادب کی نمو اور فروغ کے خواہاں تھے جو ہمارے وسیع ملک میں رہنے والی مختلف اقوام اور تہذیبی گروہوں کے آزادی، خواہ روشن، سائنسی اور عقلی رجحانات کو نمایاں کرے جو بیرونی اقتدار کے پیدا کیے ہوئے غلامانہ اور روح فرسا انتشار کی بیخ کنی کرے۔ ہم قدیم جاگیر داری دور کی توہم پرستی اور مذہبی منافرت کے زہریلے اثرات کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ یہ سامراجی اور جاگیری اقتدار کی نظریاتی بنیادیں ہیں۔ ہم اپنے ماضی کی عظیم تہذیب سے اس کی انسان دوستی، حق پرستی، صلح جوئی، اس کا حسن اور سبھاؤ تا اخذ کر لینے کے حامی تھے لیکن ہم اس کو جمود، فراریت، عقل دشمنی اور افیون صفت جھوٹی روحانیت کو سختی سے مسترد کرتے تھے۔"(۱)

لندن کی ایک رات کا کینوس مختصر اور پلاٹ غیر واضح ہے۔ اِس ناول میں لندن میں مُقیم ہندوستانی طلبہ کے ایک گروہ کی سرگرمیوں کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ مذکورہ طلبہ اعلیٰ تعلیم کے حُصول کے لیے دیارِ غیر میں قیام پذیر ہیں لیکن وطن سے دُوری کے باوجود برطانوی سامراج کے تسلّط اور اِس کے نتیجے میں ہندوستان میں پھیلی سیاسی، سماجی، معاشی اور مُعاشرتی ابتری پر فکر مند ہیں اور اِس پر سوچ بچار میں مشغول نظر آتے ہیں۔ بظاہر یہ طالبِ علم اپنے اپنے گھروں سے منگوائی جانے والی رقوم سے تفریح کرتے اور بے فکری و عیاشی میں شب و روز گُزارتے دِکھائی دیتے ہیں لیکن درحقیقت قومی مسائل سے بے خبر نہیں اور اِن مسائل پر سوچنے اور اِن کے حل تلاش کرنے میں مگن ہیں۔ اِن میں سے اکثر طلبہ اِشتراکیت اور مارکسزم سے مُتاثر ہیں، سرمایہ داری سے نفرت کرتے ہیں اور اِشتراکیت کو سرمایہ داری کا توڑ سمجھتے ہوئے اِس نظام کی آمد کے تہہِ دِل سے مُتمنّی و مُنتظر ہیں۔ تاہم سارے طلبہ جو ناول میں دِکھائے گئے ہیں ایک جیسے نظریات نہیں رکھتے۔

"لندن کی ایک رات" میں نوجوان نسل کو اُس دور کی تحریک آزادی کے لیڈروں کی کاوشوں سے دل برداشتہ دکھایا گیا ہے۔ اُن کی نظر میں عوامی رہنما خود غرضی سے عاری ہیں اور آپسی بکھیڑوں میں الجھ گئے ہیں۔

"ہندو مہا سبھا یا مسلم لیگ میں وطن کی بھلائی ہے؟ ہر شخص کے پاس وطن کی بھلائی کا ایک نسخہ ہے۔ ہر شخص معلوم ہوتا ہے وطن کی بھلائی کے لیے کوشاں ہے۔ ہر شخص پکار پکار کے کہتا ہے کہ وہ وطن کی بھلائی کے لیے کام کر رہا ہے۔ حد ہو گئی۔ اُن کی دیکھا دیکھی سے انگریزی گورنمنٹ تک کہنے لگی کہ وہ بھی ہندوستان کی بھلائی ہے اور ملک کا یہ حال ہے کہ۔ ایک طرف تو غربت اور بھوک کا سایہ ملک پر پھیلتا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ظلم و جبر کا جال چاروں طرف سے ہم کو جکڑ رہا ہے۔"(۲)

اُس دور کے ہندوستان میں ہر سو غربت، جہالت، معاشی ابتری اور افلاس کا راج تھا۔ جس کا ذکر اس ناول میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ ٹام جس نے ہندوستان میں انگریزی فوج میں کام کیا ہے اپنے دوست جم سے ہندوستان کے بارے میں کہتا ہے:

"میں لڑائی سے پہلے ہندوستان میں تھا اور میں نے وہاں کی حالت دیکھی ہے۔ اس وقت میں جوان تھا، میں احمق تھا، سنتے ہو مجھے، میں احمق تھا۔ برٹش امپائر کا خیال کر کے میری رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگتا تھا۔ میں نے ہندوستانیوں کا 'کالا لوگ'۔ 'نگر'۔ 'نیٹوز' کہہ کر خطاب کرتا تھا، میں ہندوستانیوں کو جانوروں سے بدتر سمجھتا تھا۔ ہم لوگوں کو فوج میں سکھایا یہی جاتا تھا۔ میں نے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

خود دیکھا کہ ہم ہندوستانیوں میں کس طرح صلح قائم رکھتے ہیں! میں تم سے کہتا ہوں جم، ہندوستان میں ہماری حکومت کی بنیاد خوف پر ہے۔ تم جو کہتے ہو کہ ہندوستان میں ہماری وجہ سے امن قائم ہے۔ ممکن ہے، مگر امن کی قیمت کیا ہے؟ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ غریب ننگے، بھوکے جو کیڑوں مکوڑوں کی طرح رہتے ہیں، لاکھوں، کروڑوں انسان مشکل سے تم یہ کہہ سکو گے کہ وہ انسان ہیں۔" (۳)

اسی طرح ہیرن پال اپنی محبوبہ سے ہندوستان کی معاشی بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

"جو قوم غلام ہو، جس میں اسی فیصدی انسانوں کو پیٹ بھر کھانا نہ ملتا ہو، جس میں مرض، وبا، بیماری اس قدر پھیلی ہو کہ سارے ملک میں مشکل سے کوئی تندرست انسان نظر آتے ہوں، جہاں علم گنتی کے لوگوں تک محدود ہو، جہاں بچے کملائے ہوئے پھولوں کی طرح ہوں، جہاں اکثر لوگوں کے چہروں پر بھوک، فاقہ، غربت اور مصیبت لکھی ہوئی ہو اور باقیوں کے چہرے سے سستی، جہالت اور ایک مکروہ قسم کی خوش حالی نظر آتی ہو۔" (۴)

لندن کی ایک رات میں قوم کی بے بسی اور بے حسی پر طنز کے گہرے اور تیز نشتر بھی ملتے ہیں۔

"خوشی سے زندگی بسر کرنے کا راز ناامیدی میں ہے، نامیدی کا بلند ترین درجہ کامل بے حسی کی کیفیت ہے۔ یہ وہ درجہ ہے کہ انسان کو خوشی اور غم آرام اور تکلیف میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہم ہندو اِسی کو نروان کہتے ہیں۔" (۵)

راؤ ملکی حالت پر ذہنی کوفت میں مبتلا رہتا ہے۔ اسے ہندوستانیوں پر غصہ آتا ہے کہ ۵۳ کروڑ انسانوں پر ایک لاکھ سے بھی کم انگریز حکومت کر رہے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ چاہے کوئی انجینئر ہو یا میری طرح بیرسٹر بن جائے ہندوستان میں جا کر انگریزوں کی یہ غلامی کرنی ہے کیونکہ ہندوستان ایسا مقام ہے جہاں انگریز کا مقام بڑے سے بڑے ہندوستانی سے بالا ہے۔ راؤ غلامی کی اصل وجہ ہندو مسلم فسادات کو ٹھہراتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اگر یہ دو قومیں فتنہ و فساد سے بچتیں تو شاید انھیں انگریزوں کی غلامی سے چھٹکارا مل جاتا۔ اعظم سے گفتگو کے دوران راؤ کی آنکھوں میں ہندوستان کا دردناک نقشہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ غریب عوام کے بارے میں پریشان ہو جاتا ہے جن کے چہروں پر دھوپ اور بھوک کے اثر سے جھریاں اور گڑھے پڑ گئے تھے۔ وہ ان کے میلے کچیلے کپڑوں پر بھی کافی پریشان تھا۔

راؤ کے علاوہ ناول کا دوسرا کردار احسان بھی انقلابی فکر کا حامل ہے۔ وہ انگریزوں کی غلامی کے خلاف ہے۔ ہندوستان کی پستی اور زوال پر اس کی گہری نظر ہے۔ وہ ہندوستانیوں کی عیش پسند زندگی سے اکتایا ہوا ہے وہ چاہتا ہے کہ ہندوستانی طالب علم جو پڑھنے لکھنے کی غرض سے یورپ آئے ہیں یہاں ناچ گانے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں بلکہ اچھی تعلیم حاصل کر کے مفید اور کارآمد شہری بنیں اور ملک کی ترقی میں معاون ثابت ہوں۔ احسان میں انگریز سامراج سے نفرت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ سرمایہ داری نظام کو چند دن کا مہمان سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں وہ وقت ضرور آئے گا جب ہندوستان آزاد ہو گا اور غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے گا۔ احسان نے رئیس، بنیوں، وکلا، ڈاکٹرز، پروفیسر وغیرہ کو جونک سمجھتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"تم سب کے سب رئیس بنئے، مہاجن، بیرسٹر، وکیل، ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر، سرکاری نوکر، جونک کی طرح ہو اور ہندوستان کے مزدوروں اور کسانوں کا خون پی کر زندہ رہتے ہو۔ ایسی حالت قیامت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

تک قائم نہیں رہے گی۔ کسی نہ کسی دن تو ہندوستان کے لاکھوں کروڑوں مصیبت زدہ انسان خواب سے چونکیں گے بس اسی دن تم سب کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔"(۶)

راؤ احسان کے ساتھ ساتھ ہیرن پال بھی تبدیلی کا خواہاں ہے۔ وہ سوئٹزرلینڈ ایک ماہ کے لیے جاتا ہے جہاں اس کی ملاقات شیلا گرین سے ہوتی ہے۔ ذہنی ہم آہنگی انھیں قریب لاتی ہے۔ شیلا ہیرن سے محبت کرنے لگتی ہے۔ وہ بھی راؤ اور احسان کی طرح اپنے ملک کی آزادی کا خواب دیکھتا ہے۔ وہ شیلا سے ملک کے تمام مسائل پر اظہار خیال کرتا ہے۔ وہ چاہے برطانیہ میں ہو یا سوئٹزرلینڈ میں اس کی روح ہندوستان میں ہی محوِ پرواز ہے۔ وہ مصمم ارادہ رکھتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں موجود تمام مسائل کا خاتمہ کرے۔

راؤ اور احسان کے کردار کے بارے میں عتیق احمد رقمطراز ہیں:

"راؤ اور احسان۔۔۔ دونوں مسلسل ہندوستان کی غلامی اور اقتصادی بدحالی، شدید غربت، تعلیم کی کمی اور اوپر سے ان سے کام لینے والے سیٹھ ساہوکاروں اور جاگیرداروں کے ظلم اور زیادتی یہ سب باتیں انھیں مستقل طور پر بے چین رکھتی ہیں چنانچہ ان دونوں کے رویے میں ایک تلخی اور جھلاہٹ مسلسل حاوی رہتی ہے۔ ایک طرف تو وہ اپنے ملک کی حالت پر بے چین ہیں اور دوسری طرف وہ ان طالب علمیوں کو دیکھتے ہیں جو اگر سنجیدگی سے اپنی تعلیم مکمل کر لیں اور اپنے اندر بھی ملک کی فلاح اور بہبود کا جذبہ پیدا کر کے واپس چلے جائیں تو بدقسمت لوگوں کے حالات اور تقدیر بدلنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔۔۔ وہ لندن کے ایسے لوگوں سے بھی ملتے جلتے رہتے ہیں جن کی سوچ انقلابی بھی ہو اور ہندوستان پر برطانوی حکمرانی کو خود انگریز ہوتے ہوئے بھی ہندوستان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ سمجھتے ہیں۔ اور اس عزم کے ساتھ زندہ ہیں کہ بہرحال ہندوستان کی پیشانی سے کالک دھلنی چاہیے۔ جس میں ان کا بھی اپنا کردار اور حصہ ہو گا۔"(۷)

لندن کی ایک رات' میں کالونیل عہد کے ہندوستان کے سیاسی و سماجی حالات پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی نوجوانوں کی خارجی و باطنی کش مکش کو بھی نُمایاں کیا گیا ہے۔ ان نوجوانوں کے لیے انگریزی زبان سیکھنا اور انگریزی رہن سہن اِختیار کرنا کس قدر اہمیت رکھتا تھا اِسے جاننے کے لیے عارف کے معمولات پر ایک نظر ڈالنا کافی ہو گا جس کے شب و روز ایک نوع کی مُشقت میں بسر ہو رہے تھے، محض اِس اُمید پہ کہ وہ آئی۔ سی۔ ایس میں کامیاب ہو جائے:

"عارف ہر روز "ٹائمز" اخبار وظیفہ کی طرح پڑھتا تھا اور کبھی کبھی اس میں سے اچھے اچھے جملے ایک علیٰحدہ کاپی پر نقل بھی کر لیتا تھا۔ اس کے بعد وہ ان جملوں کو زبانی یاد کرنے کی کوشش کرتا۔۔۔ اسے امید تھی کہ اس طرح سے رفتہ رفتہ نہ صرف اس کی انگریزی زبان کی مہارت بہتر ہو جائے گی۔ بلکہ "ٹائمز" اخبار کے خیالات اس کے دماغ میں اچھی طرح سے جم جائیں گے۔ اس اخبار کا نقطۂ نظر انگلستان کے بڑے صاحبوں کا نقطۂ نظر ہوتا ہے۔ جو بات ٹائمز میں چھپ جائے اسے "نیم سرکاری" سمجھنا چاہیے۔ عارف چاہتا کہ وہ سرکاری خیالات میں بالکل ڈوب جائے اور جب امتحان کا وقت آئے تو اس کے قلم سے اور اس کی زبان سے ایک حرف بھی ایسا نہ نکلے جس سے امپیریا سٹ ممتحنوں کو کسی قسم کا اختلاف ہو سکے۔"(۸)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

عارف اور اُس کی طرح کے دِیگر بے شمار باصلاحیت نوجوان کالونیل عہد کے ہندوستان میں باوقار سماجی مقام، اعلیٰ مرتبے اور عزت و دولت میں اضافے کا ذریعہ آئی۔ سی۔ ایس کو سمجھتے تھے۔ سجاد ظہیر نے "ٹائمز اخبار" کے حوالے سے عارف کے خیالات کا اِظہار کرتے ہوئے دراصل برطانوی حکمرانوں کی اُس حکمتِ عملی کو بے نقاب کیا ہے جو سرکاری عُہدوں کے عوض ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقے کو اپنا وفادار بنانے اور ایک مخصوص ذہنیت کو پروان چڑھانے پر مبنی تھی۔ سرکاری مُلازمتوں بالخصوص آئی۔ سی۔ ایس میں کامیابی سامراجی ذہنیت کو اپنانے اور اپنی رائے کو انگریز سرکار کی رائے کے تابع بنانے سے مشروط تھی۔ نوآبادیاتی طاقت کے زیرِ تسلّط ہندوستان میں نوجوان طبقہ "لیلائے سول سروس کا مجنوں" بنا ہوا تھا کیونکہ یہی وہ واحد راستہ تھا جس پر چل کر ہندوستان کے حاکموں کی فہرست میں جگہ بنائی جاسکتی تھی۔ عارف اور اُس جیسے لاتعداد نوجوان اپنی آنکھوں میں یہی سپنے سجائے آئی۔ سی۔ ایس کے اِمتحان کی تیاری میں دن رات ایک کیے ہوئے تھے۔ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو آئی۔ سی۔ ایس محض ایک امتحان کے ذریعے سے اعلیٰ ملازمتوں تک رسائی کا نام نہ تھا، ایک مخصوص طرزِ زندگی اور ذہنیت کو اپنانا بھی اس کے لوازمات میں شامل تھا جو سراسر مغربی تہذیب کی اندھی تقلید پر مبنی تھی۔ ہندوستانیوں میں مغرب کی نقّالی کے نتیجے میں ایک کھیپ کی کھیپ ایسے افراد کی جنم لے رہی تھی جنہیں "براؤن صاحب" کہہ کے پُکارا جاتا تھا۔ یہ "براؤن صاحب" یا بقولِ سجاد ظہیر "پکا صاحب" انگریزوں سے بڑھ کر انگریز بننے کی کوشش میں اپنی مادری زبان اور رِوایات تک فراموش کر دیتے تھے۔ اِسی صاحبی کے اِختیار کرنے کے لیے عارف اور اُس کی مانند مُتعدّد نوجوان جس نہج پر زِندگی گُزار رہے تھے اور جس نوع کی جِدوجَہد میں مصروف تھے اُس کا نقشہ سجاد ظہیر نے اِن الفاظ میں کھینچا ہے:

> "خچر کی طرح سے وہ ایک سیدھے راستے پر لگا ہوا کام کرتا چلا جاتا اسی کے ساتھ اس کے ذہن میں یہ بات بھی سما گئی تھی کہ انگریزی کپڑے اچھی طرح پہننا، انگریزی زبان میں بالکل انگریزی لہجہ میں بولنا، سنیما کی تصویروں کے بارے میں اور ہولی وڈ کے ایکٹروں اور ایکٹریسوں کے ذاتی معاملات، ان کی شادیوں اور طلاقوں کی تازہ ترین خبروں سے واقف رہنا اور ان پر بات چیت کرنا، کلکٹری کے امیدواروں کا فرض ہے۔"(۹)

سول سروس کے اُمیدواروں کے اِس طرزِ فکر اور اندازِ نظر سے واضح ہے کہ نوآبادیاتی حکمرانوں کی تہذیب اور سوچ اپنائے بغیر اُنہیں اپنے مقاصد میں کامیابی کا ملنا دُشوار نظر آتا تھا۔ وہ ایک مخصوص طرزِ زندگی اپنانے پر مجبور تھے جو اپنی اصل میں سطحی اور پست مقاصد پر مبنی تھا۔ صرف سول سروس کے امیدوار ہی نہیں، بلکہ سول سروس میں کامیاب ہونے والے لوگوں پر مغربی تہذیب کی چھاپ کس قدر گہری ہوتی تھی، اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے، جو عارف کے ضمن میں سجاد ظہیر نے بیان کیا ہے:

> "وہ ان لوگوں کا جانشین ہونے والا تھا جن کو اس بات پر فخر تھا کہ انھیں اپنی مادری زبان اچھی طرح بولنی نہیں آتی، اور جو اپنے کو انگریزوں سے بھی بڑھ کر 'پکا صاحب' سمجھتے تھے۔ انھیں پکے صاحب لوگوں میں ایک 'مسلمان' کلکٹر صاحب تھے۔ جن کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انھوں نے بقر عید کے دن اپنے مسلمان منشی سے پوچھا۔ 'ول منشی! کیا آج تم لوگوں کا بڑا دن ہے؟'"(۱۰)

سجاد ظہیر اِشتراکی فکر کے علم بردار تھے اور سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت بالخصوص سامراجی تسلّط کے بہت بڑے ناقد اور مخالف تھے۔ ناول میں موجود اکثر کردار سامراج مخالف اور اِشتراکی نظریات کے مُؤیّد نظر آتے ہیں۔ یورپی نوجوانوں کی بڑی تعداد اِشتراکیت کی مُقلّد تھی اور اِس تحریک کا دائرہ یورپ بھر میں تیزی سے وسیع ہو رہا تھا۔ ہندوستانی نوجوانوں نے بھی اِشتراکیت اور مارکسزم سے گہرے اثرات قبول کیے اور ہندوستان میں برطانوی سامراج سے چُھٹکارے اور سوشلسٹ نظام کے رائج ہونے کے خواب دیکھنا شروع کر دیے اور اِن خوابوں کو حقیقت کا رُوپ دینے کے لیے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

عملی کوششوں کا بھی آغاز کیا گیا۔ اِنہی فکری رُجحانات کے تحت لندن کی ایک راتمیں اِشترا کی ذہن رکھنے والے طلبہ عارف کے طرزِ حیات پر مُخالفانہ زاویے سے تنقید کرتے ہیں اور اُسے سامراجی مقاصد کی تکمیل میں مدد گار تصوّر کرتے ہیں۔ اس دور کے انگریزی اخبارات بھی نو آبادیاتی حکمرانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اعظم جب جین کا 'انڈر گراؤنڈ' پر انتظار کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت کا منظر ملاحظہ ہو:

> "اخبار کی دوکان کے سامنے بڑے بڑے اشتہار لگے ہوئے تھے۔ ٹائمز، ڈیلی میل، مارننگ پوسٹ، ڈیلی ٹیلیگراف وغیرہ۔ اس کی نظر شام کے اخباروں پر پڑی جنھیں لوگ اسٹیشن کے باہر بیچ رہے تھے۔ 'فٹ بال کے میچ کے نتیجے'، 'میچ کے آخری نتیجے' اخبار بیچنے والے پکار رہے تھے۔ اتنے میں اس کی نظر چند اور اشتہاروں پر پڑی جو تختوں پر چپکے ہوئے تھے۔ 'بیکار مزدوروں کا ہائیڈ پارک میں جلسہ'، 'دس انگریزی سپاہیوں نے دس ہزار ہندوستانی نیٹوز کو فساد کرنے سے روکا'، 'ایک گورا زخمی ہوا۔ اور ۵۱ نیٹوز کی جان گئی'، بڑے بڑے، کوئی ڈھائی فٹ لمبے اور ایک فٹ چوڑے کاغذوں پر یہ اشتہار سرخ حرفوں میں لکھے ہوئے تھے۔ اعظم کا خیال ایک لمحہ کے لیے اپنے دوست کے انتظار سے ہٹ کر ہندوستان، وطن کی طرف گیا۔ 'یہ کمبخت انگریزی اخبار کتنی حقارت کے ساتھ ہم ہندوستانیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ 'نیٹوز' ہم 'نیٹوز' ہیں اور یہ لال منہے بندر، جو اس ملک میں رہتے ہیں یہ کون ہیں؟"(۱۱)

نو آبادیاتی اثرات سے لندن کی رات کے کردار بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کو مغربی استعمار کا پوری طرح احساس ہے، اس لیے اس مغربی ماحول میں ہندوستان سے متعلق ایک ایک خبر ان طالب علموں کے دماغ پر یوں اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ ان کے لاشعور کا حصہ بن جاتی ہے، راؤ جب 'پب' میں شراب پی رہا ہوتا ہے تو اعظم کے جین سے نہ ملنے کے کرب میں ڈوبتا ہے تو نشہ کی حالت میں ان ہندوستانیوں کی یاد اس کے ذہن میں ایک فلم کا سین بن کر نمودار ہوتی ہے جس میں انگریز فوجی ان پر گولی چلا رہے ہوتے ہیں:

> "راؤ کی انکھوں کے سامنے یک بارگی ہندوستانیوں کی ایک بھیڑ نظر آئی، جس میں زیادہ تر غریب، میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے، لوگ تھے، جن کے چہروں پر دھوپ اور ہوا اور بھوک کے اثر سے جھریاں اور گڈھے پڑے ہوئے تھے۔ جن کے ہاتھ مزدوری کرنے سے سخت اور مضبوط معلوم ہوتے تھے، جن کی آنکھوں میں محنت کی روشنی تھی۔ جن کے کندھے جھکے ہوئے تھے، جن کی ٹانگیں ان کی میلی دھوتیوں سے لکڑی کی طرح نکلی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کی بھیڑ سڑک کے چوراہے پر، اس بھیڑ میں ملے جلے ہندوستانی طالب علم، وہ غریب، جن کو پچیس روپیہ مہینہ تک کی نوکری اب نہیں ملتی، دبلے پتلے، سینہ کمزور، چار دن سے داڑھی نہیں بنائی۔ چھوٹا انگریزی کوٹ اور دھوتی میلی سی، عینک، ننگے سر، یہ بھی سیکڑوں کی تعداد میں، اور اسی طبقہ کے اور بہت سے لوگ۔ سارا مجمع ہل رہا ہے، سمندر کی لہریں۔ آگے بڑھنے کی کوشش، مگر راستہ رکا ہوا ہے۔ گورے بندوقیں لیے ہوئے سامنے کھڑے ہیں۔ مشین گنیں بھی ہیں۔ سنگینیں دھوپ میں چمک رہی ہیں۔ سپاہیوں کے پیچھے گھوڑوں پر سوار انگریزی افسر، تیز دھوپ، گرمی، چہروں پر پسینے کے قطرے نمایاں ہیں۔ ہوا بند۔ راؤ اس مجمع کے بیچ میں کھڑا ہوا ہے۔ آخر ہم آگے کیوں نہیں بڑھتے؟ یہاں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

تک پہنچ کے رک جانے سے کیا فائدہ؟ اتنی دور تک آئے اور اب رکے ہوئے ہیں۔ 'آگے بڑھو۔۔۔ آگے بڑھو' کی آواز یک بارگی اس کے کانوں میں آئی اور اس کے سارے جسم میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ تکلیف جس سے کچھ فائدہ پہنچے، تکلیف جو آرام کی ہر اول ہو، یہاں تک کتنی مشکل سے ہم پہنچے اور اب آگے بڑھنے والے ہیں۔ لیکن نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ زندگی اتنی سہل نہیں جتنی ہم سمجھے ہوئے ہیں۔۔۔ وہ اکیلا میدان میں کھڑا ہوا ہے، سارا مجمع غائب ہو گیا۔ سامنے گورے کھڑے ہیں اور چاروں طرف اِدھر اُدھر خون کے دھبے، گرم تازہ خون اور زخمی انسان اور مردے، کوئی منہ کے بل پڑا ہے اور اس کے ہاتھ پیٹ کے نیچے دبے ہوئے ہیں، کوئی چت پڑا ہے اور اس کے سر پر گولی لگی ہے۔ آنکھیں دہشت زدہ، دیدوں سے پھٹی پڑتی ہیں، منہ کھلا ہوا ہے۔ اس کے چہرے پر، گردن پر، میلے کرتے پر، لال لال خون کے دھبے۔ ایک زخمی جس کے پاؤں پر گولی لگی ہے اور جو درد کی شدت سے زور زور سے چلا رہا ہے۔ یہ ہے تکلیف، اس کا نام ہے درد۔ اس شراب کے گلاس کو تو ذرا دیکھو۔ اس کی تیزی غائب، اس کی ٹھنڈک ندارد، اس کا رنگ بدل گیا، سیاہ سی گاڑھی چیز، گہرا سرخ رنگ، خون گرم، تازہ خون۔ یا خدا۔ 'دس انگریزی سپاہیوں نے دس ہزار نیٹوز کو فساد کرنے روکا، ایک گورا زخمی ہوا اور پندرہ نیٹوز کی جان گئی۔"(۱۲)

سجاد ظہیر نے لندن کی ایک رات میں مغرب کے رنگ و نسل کی بُنیاد پر دِیگر اقوام سے روا رکھے جانے والے اِمتیاز اور تعصّب کی جھلکیاں بھی جا بجا دِکھائی ہیں۔ نسلی اِمتیاز مغربی تہذیب کے بظاہر اُجلے دامن پر ایک ایسے داغ کی مانند نظر آتا ہے جو مِٹائے نہیں مِٹتا اور چُھپائے نہیں چُھپتا۔ اعظم اور راؤ پب میں بیٹھے پینے میں مصروف ہوتے ہیں تو اُنہیں ٹام نامی مزدور ملتا ہے جو نہ صرف اپنی حالتِ زار پر مایوس ہے بلکہ ہندوستانیوں کی غُلامی اور برطانوی تسلّط کے بھی خلاف ہے۔ لیکن ہندوستانیوں کے تئیں ٹام کی سوچ شروع ہی سے ہمدردانہ نہیں تھی بلکہ برطانوی فوج میں شمولیت اور ہندوستان میں تعیناتی کے بعد اُن کی غُربت اور تباہ حالی کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اُس میں ہمدردی کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو ٹام بقولِ خود:

"میں ہندوستانیوں کو 'کالا لوگ'، 'نگر'، 'نیٹو' کہہ کر خطاب کرتا تھا۔ میں ہندوستانیوں کو جانوروں سے بدتر سمجھتا تھا۔ ہم لوگوں کو فوج میں یہی سکھایا جاتا تھا۔"(۱۳)

نسل پرستی کا یہ زہریلا بیج ہر درجے اور طبقے کے لوگوں کے دِلوں میں بوئے جانے کا مقصد غُلام قوم کو دبانا اور برطانوی نو آبادیاتی طاقت کا دبدبہ قائم رکھنا تھا۔ رنگ و نسل کی بُنیاد پہ اِنسانوں کی تقسیم دراصل نو آبادیاتی غُلاموں کو اپنے آقاؤں سے دُور رکھنے اور اپنے احساسِ برتری کا اعلان تھی۔ راؤ کو یہ خیال ہی نفرت انگیز معلوم ہوتا ہے کہ انگریز:

"دنیا بھر میں گولیاں چلا کر اور آسمان سے بم برسا کر تہذیب پھیلانا اور صلح اور امن قائم رکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔"(۱۴)

اِس خود ساختہ فرض کی ادائیگی نے دُنیا کے امن کو خطرے میں ڈال دیا اور نو آبادیات کا درجہ رکھنے والے ممالک کے باشندوں کی زِندگیاں غُربت، غُلامی اور محرومی کی لپیٹ میں آ گئیں، جبکہ دو عالمی جنگیں بھی سامراج کی اِسی ہوسِ مُلک گیری کا نتیجہ تھیں۔ اعظم کو ہندوستانیوں کے لیے اِستعمال کیا جانے والا تحقیر و استہزا سے بھرپور لفظ 'نیٹو' Native اِنتہائی ناگوار گُزرتا ہے۔ سفید فام آقاؤں کی جانب سے اِس لفظ کا اِستعمال رنگت کی بُنیاد پر اِمتیاز کی علامت تھا۔ اعظم اسٹیشن پر جین کے اِنتظار میں وقت گُزارتے ہوئے بورڈ پر چسپاں اِشتہاروں میں ہندوستان میں 'نیٹوز' کے مارے جانے کی خبر پڑھتا ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

تو اُسے خیال آتا ہے کہ انگریزی اخبار کس قدر حقارت سے ہندوستانیوں کا ذِکر کرتے ہیں۔ 'نیٹوز'، 'کالا لوگ'، 'بلیکی'، 'نگر' یہ سارے الفاظ پُکار پُکار کر اپنے وضع کرنے والوں کے نسل پرست اور مُتعصّب ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور برطانوی راج نے اپنی ہندوستانی رِعایا کو اِنہی نفرت انگیز ناموں سے موسوم کر رکھا تھا۔ پب میں شراب کے نشے میں بدمست ایک انگریز وہاں موجود راؤ اور اعظم کو 'بلیکی' کہہ کر آواز دیتا ہے تو دونوں غُلامی کے نتیجے میں خود پر مسلّط کی جانے والی ذِلّت کے احساس سے غُصّے میں کانپ اُٹھتے ہیں۔ اعظم غُصّے کے زیرِ اثر اُس شخص سے بدلہ لینے کی شدّید خواہش رکھتا ہے لیکن بے بسی کے عالم میں بیٹھا رہ جاتا ہے جبکہ راؤ خوف کے احساس سے دوچار ہو کر خود کو ہزاروں، لاکھوں گوروں کے بیچ گھِرا ہوا تصوّر کرنے لگتا ہے اور خیالات کے عالم میں اُن سے بچاؤ کی راہ ڈھونڈتا ہے۔ یہی نسلی تعصّب تھا جو شیلا گرین کے والدین کو اپنی بیٹی کو 'کالے لوگوں' سے دُور رہنے کی ہدایت دینے پر مجبور کرتا ہے۔ شیلا اپنے لوگوں میں پائے جانے والے نسل پرستانہ رویے سے بخوبی آگاہ تھی اور اپنی گفتگو کے دوران میں بار بار اِس کا اعتراف بھی کرتی ہے۔ وہ نعیم کو بتاتی ہے کہ سوئزرلینڈ میں تعطیلات کے دوران میں ایک ہندوستانی لڑکے پال ہیرن سے اُس کی مُلاقات ہوئی، وہ اُس کے ہمراہ قہوہ خانے کی میز پر بیٹھی باتوں میں مصروف تھی جبکہ ایک انگریز اُسے ہندوستانی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر اِشتعال کے مارے آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا، وجہ سوائے تعصّب کے اور کچھ نہ تھی۔ شیلا اور پال مُحبت کی ڈور میں بندھ جاتے ہیں لیکن شیلا اپنے اور اُس کے بیچ قوم، نسل، ملّت، سرمایے اور زمیں کی فاصلوں کی تفاوت حائل دیکھتی ہے اور یہ تفاوت جدائی کے اندیشوں کو جنم دیتی ہے جو غلط نہ تھے کہ حقائق کا ادراک کر لیے جانے پر پیدا ہوئے تھے۔

"لندن کی ایک رات" میں کرداروں کا لندن میں موجود ہونا ہی نو آبادیات کا شاخسانہ ہے، کہ وہ اس نو آبادیات کے استعماری چنگل سے نکلنے کی ایک انفرادی کوشش ہے۔ جسے آپ فرار بھی کہہ سکتے ہیں۔ "لندن کی ایک رات" اپنے عصر کا ترجمان ناول ہے اور نہ صرف اُس عہد کے حالات کی عکاسی کرتا ہے بلکہ آج کی صُورتِ حال پر بھی پُوری طرح سے مُنطبق ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب ایک سامراجی طاقت کی جگہ دُوسری سامراجی طاقت سنبھال چکی ہے اور غُلامی بھی جدید شکل اِختیار کر گئی ہے۔ عہدِ موجود کا نوجوان بھی کم و بیش ویسے ہی مسائل میں گھِرا ہوا ہے اور ویسی ہی کش مکش سے دوچار ہے جو لندن کی ایک رات میں نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

1. سجاد ظہیر، روشنائی، کراچی: دانیال، 2005ء، ص30
2. سجاد ظہیر، لندن کی ایک رات، (خصوصی مطالعہ اور تجزیہ مع حیات و خدمات)، مرتبہ: ڈاکٹر محمد فیروز، دہلی: ساقی بک ڈپو، 2006ء، ص74
3. سجاد ظہیر، لندن کی ایک رات، (خصوصی مطالعہ اور تجزیہ مع حیات و خدمات) مرتبہ: ڈاکٹر محمد فیروز، دہلی: ساقی بک ڈپو، 2006ء، ص83
4. ایضاً، ص۱۷۱
5. ایضاً، ص۴۷
6. سجاد ظہیر، لندن کی ایک رات، ص۱۲۱
7. عتیق احمد، لندن کی ایک رات، موضوع اور مواد، مشمولہ "سجاد ظہیر۔ شخصیت اور فکر" مرتب: سید جعفر علی، ڈاکٹر، کراچی: مکتبہ دانیال و کٹوریہ چیمبرز ۲، 2005ء، ص69
8. سجاد ظہیر، لندن کی ایک رات، (خصوصی مطالعہ اور تجزیہ مع حیات و خدمات)، مرتبہ: ڈاکٹر محمد فیروز، دہلی: ساقی بک ڈپو، 2006ء، ص126
9. ایضاً، ص107
10. ایضاً، ص107-108
11. ایضاً، ص69-70
12. ایضاً، ص78-79
13. ایضاً، ص82

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.3 2021

14. ایضاً، ص81